OPEN ACCESS
Al-SHARQ
ISSN (Print): 2710-2475
ISSN (online): 2710-3692
www.alsharqjr.com

Al-SHARQ
Vol.: 02, Issue: 01, Jan-June 2021, PP: 11 - 27

اسلام کا تصورِ معیشت: قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں

Economy Concept of Islam in the Light of Qur'ān & Ḥadīth

Usma Ansar
Teaching Assistant, Department of History and Politics,
The University of Haripur, Haripur

Dr. Shakir Mehmood
Assistant Professor in Islamic Studies,
Al-Hamd Islamic University, Islamabad Campus

Abstract

Islam is the comprehensive system of life in which there is a beautiful balance of material and spiritual needs, life is incomplete without spirituality and values, history has proved that the ultimate goal of man is neither the acquisition of wealth nor the acquisition of wealth. What is my ultimate goal in life? Is it man's purpose to satisfy the needs of animals just by enjoying worldly pleasures? Or is there a purpose beyond that? In the natural system of distribution of sustenance, man should not interfere with his artificial means. Turning natural inequality into artificial inequality, or extending this inequality beyond the bounds of nature to the point of injustice, is equally wrong. A proper economic system is one that is closer to God's way of distributing sustenance. In a capitalist economy, instead of facilitating the members of human society, individuals continue to exploit society. The vast region of the world is ruled by the capitalist system and the European countries are addicted to this system. As a result of this economic system, society becomes a victim of unnatural class ups and downs. This economy has failed to bring prosperity to the human community as a whole. These days, new scientific inventions have increased the needs of human beings immensely.

***Keywords**: Quran, Hadith, Principle, Islamic Finance, Islamic fiqh*

موضوع تحقیق کا تعارف:

اسلام ہی وہ جامع نظام حیات ہے، جس میں مادی و روحانی ضروریات کا حسین توازن پایا جاتا ہے، روحانیت و اقدار کے بغیر زندگی اُدھوری ہے، تاریخ نے ثابت کر دیا کہ انسان کی اخری منزل نہ تو حصول دولت ہے اور نہ ہی حصولِ دولت میں اس قدر انہماک کہ انسان خود کو بھی بھول جائے کہ میرا اخر مقصدِ حیات کیا ہے؟ کیا محض دنیاوی لذائذ سے لطف اندوز ہو کر حیوانیت کے تقاضوں کو پورا کرنا، انسان کا مقصد ہے؟ یا اس مقصد سے برتر بھی کوئی مقصد ہے؟ اس بحث میں ہدف ما سلامی معاشی فلسفہ کا بیان ہے تاہم مناسب ہے کہ مروجہ نظامہائے معاش کا تعارف ہو تاکہ اسلامی نظام عدل کے بارے میں لکھا جاسکے۔

تقسیم رزق کے فطری نظام میں انسان کو اپنی مصنوعی تدبیروں سے دخل انداز نہ ہونا چاہیے۔ فطری نا مساوات کو مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا، یا اس نا مساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا، دونوں ہی یکساں غلط ہیں۔ ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خدا کے مقرر کیے ہوئے طریقِ تقسیم رزق سے قریب تر ہو۔

اس فقرے میں قانون فطرت کے جس قاعدے کی طرف رہنمائی کی گئی تھی اس کی وجہ سے مدینے کے اصلاحی پروگرام میں یہ تخیل سرے سے کوئی راہ نہ پا سکا کہ رزق اور وسائلِ رزق میں تفاوت اور تفاضُل بجائے خود کوئی برائی ہے جسے مٹانا اور ایک بے طبقات سوسائٹی پیدا کرنا کسی درجے میں بھی مطلوب ہو۔ اس کے برعکس مدینہ طیبہ میں انسانی تمدن کو صالح بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے جو راہ عمل اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ فطرت اللہ نے انسانوں کے درمیان جو فرق رکھے ہیں ان کو اصل فطری حالت پر برقرار رکھا جائے اور اوپر کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق سوسائٹی کے اخلاق واطوار اور قوانین عمل کی اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ معاش کا فرق و تفاوت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے اُن بے شمار اخلاقی، روحانی اور تمدنی فوائد و برکات کا ذریعہ بن جائے جن کی خاطر ہی دراصل خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت رکھا ہے[1]۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت جو حقیقی معنوں میں آزاد معیشت ہے، کا اخری نتیجہ آزاد سوسائٹی کا قیام ہے۔ جس میں انسان کی سوچ مادہ و معدہ سے اگے تجاوز ہی نہیں کر پاتی۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں انسانی سوسائٹی کے افراد کو سہولت پہنچانے کی بجائے افراد معاشرہ کے استحصال کا جذبہ کارفرما رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام معیشت میں اسلامی نظامِ حلال وحرام کے منضبط نظام سے قطع نظر سود جیسی عقلی طور پر قبیح عنصر کو تجارتی عمل کا حصہ قرار دیا گیا۔ اس نظام میں سرمایہ ہی ہر کچھ سمجھا جاتا ہے، اخلاقیات، اقدار، انسان دوستی کی روح سے عاری ازر دیا دِ دولت انسان کی اخری منزل مقصود سمجھا جاتا ہے۔

دنیا کے وسیع خطے پر سرمایہ درانہ نظام کا راج ہے اور یورپی ممالک اس نظام کے متوالے ہیں۔ اس نظام معیشت کے نتیجہ میں معاشرہ غیر فطری طبقاتی اونچ نیچ کا شکار ہو جاتا ہے، جمہوری سیاست اس کے جلو میں پروان چڑھتا ہے، یہاں تک کہ سرمایہ کی اساس پر حکمرانی کے منصب تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اور سماج کے حقوق و فرائض کے نام سے استحصال کا انوکھا راستہ اختیار کر لیا جاتا ہے، یہ معیشت مجموعی سطح پر انسانی اجتماع کو خوشحالی دینے میں ناکام رہا۔ ائے دن نت نئے سائنسی ایجادات نے انسانی ضروریات و حاجات میں بے تحاشا اضافہ کر دیا، ان اشیاء کو بھی انسانی زندگی کا ناگزیر حصہ قرار دیا گیا، جو واقعی طور پر انسان کو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی، یوں انسان لامحدود ضروریات کی تکمیل میں زندگی کے قیمتی لمحات گنواتا ہے، ضروریات، حاجات سے اگئے انسان لامحدود تحسینیات کی تکمیل میں منہمک ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیت کو نہایت خوبصورت پیرائے میں تعبیر کیا ہے۔

موضوع تحقیق کے بنیادی سوالات

۱۔کیا متقدمین و متاخرین فقہاء مفسرین کے معاشی مسائل سے متعلق اخذ کردہ نتائج کو بعض اختلاف کے باوجود عصر حاضر میں قابل عمل سمجھا جاسکتا ہے؟

۲۔قرآنی تعلیمات کی روشنی میں معیشت سے متعلق مسائل کا حل کس طرح ممکن ہے؟

تحقیقی مقالہ سے متعلق سابقہ و موجودہ تحقیقات کا جائزہ

۱۔انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تبیان القرآن کے منہجی مطالعہ پر کام کیاگیا ہے جبکہ مقالہ نگار کے اس منتخب موضوع پر کام نہیں ہوا۔

۲۔البتہ جدید معاشی مسائل پر مختلف فتاوی جات اور کتب فقہ میں بحث کی گئی ہے جیسے مفتی تقی عثمانی نے جدید معاشی مسائل پر کام کیا ہے اسی طرح اسلام کے اقتصادی نظام مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ کی کتاب ہے۔انڈین فقہی اکیڈمی کی طرف سے جدید فقہی مسائل اور فقہی مقالات کے حوالے سے کام کیا گیا ہے۔

۳۔البتہ مقالہ نگار کے موضوع وہ خاص جدید معاشی مسائل کا معارف القرآن، تفہیم القرآن، تبیان القرآن اور روح القرآن کے ساتھ تقابلی مطالعہ ہے۔

معیشت کا لغوی مفہوم

معایش: یہ معیشت کے جمع ہے۔جن چیزوں سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔مثلاً کھانے پینے کی چیزیں۔ان کو معیشت کہتے ہیں۔علامہ طاہر پٹنی متوفی 986ھ نے لکھا ہے کہ جو چیزیں حیات کا آلہ ہیں، مثلاً زرعی پیداوار اور دودھ دینے والے جانوروں کے تھن ان کو معیشت کہتے ہیں۔[2]اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء (علیہم السلام) کی دعوت کو قبول کرنے اور ان کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا تھا۔اس کے بعد ان کی پیروی نہ کرنے پر ان کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا۔اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کردیا۔ان پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تے[3]پھر ان کو آخرت کے عذاب اور مواخذہ سے ڈرایا پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے[4]پھر فرمایا: پس جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں۔اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں [5]اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرکے اس کا احسان مانیں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت اور ان کے پیغام کو قبول کریں اور ان کی اطاعت اور اتباع کریں کیونکہ نعمتوں کی کثرت زیادہ اطاعت کو واجب کرتی ہے۔

تفسیر مظہری میں لکھا ہے:

معایش مَعِیْشَۃٌ کی جمع ہے یعنی زندگی بسر کرنے کے اسباب کھیتی باڑی مویشی کھانے پینے کا سامان 'تجارت اور کمائی کے پیشے وغیرہ۔

تفسیر قرطبیؒ میں لکھا ہے:

معایش معشۃ کی جمع ہے، یعنی کھانے پینے میں سے وہ چیزیں جن کے لیے کوشش کی جاتی ہے اور جن کے ساتھ زندگی قائم ہوتی ہے۔کہا جاتا ہے: "عاش يعيش عيشا ومعاشا ومعيشا ومعيشة وعيشة"۔اور زجاج نے کہا ہے: معیشۃ

سے مراد وہ سبب زندگی ہے جس کے ساتھ زندگی متصل ہوتی ہے۔ اخفش اور کثیر نحویوں کے نزدیک معیشۃ مفعلۃ کے وزن پر ہے (یعنی مصدر میمی)۔ اور اعراج نے معائش ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اسی طرح خارجہ ابن مصعف نے نافع سے روایت کیا ہے۔ نحاس نے کہا ہے: ہمزہ غلطی ہے جائز نہیں ہے، کیونکہ واحد معیشۃ ہے اور اس کی اصل معیشۃ ہے، پھر الف وصل کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ اور یا دونوں ساکن ہیں، پس حرکت دینا ضروری ہے، کیونکہ حذف کا کوئی راستہ نہیں۔ اور الف کو حرکت نہیں دی جا سکتی پس یا کو وہ حرکت دی گئی جو اس کے لیے واحد میں ثابت ہے اور واو میں اس کی مثال منارۃ ومنن اور اور مقام ومقاوم ہے، جیسا کہ شاعر نے بھی کہا ہے:

وانی لقوائم مقاوم لم یکن　　　　جریر ولا مولی جریر یقومها

اور اسی طرح مصیبۃ مصاوب ہے۔ یہ جیس اور عمدہ ہے اور لغت شاذہ مصائب ہے۔ اخفش نے کہا ہے: بلاشبہ مصائب جائز ہے، کیونکہ اس کا واحد معتمل ہے (یعنی اس میں حرف علت موجود ہے)۔

زجاج نے کہا ہے: یہ خطا ہے، کیونکہ اس طرح ان پر مقائم کہنا لازم آئے گا، البتہ یہ قول ہے کہ یہ وسادۃ اور اسادۃ کی مثل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: معایش میں ہمزہ جائز نہیں، کیونکہ معیشۃ مفعلۃ کے وزن پر ہے، اس میں یا اصلیہ ہے اور ہمزہ تب ہوتا ہے جب یا زائدہ ہو جیسے مدینۃ ومدائن اور صحیفۃ وصحائف اور کریمۃ وکرائم اور وظیفۃ ووظائف اور ان کے مشابہ الفاظ میں ہے۔

مفردات القرآن میں لکھا ہے:

"العَيْشُ : الحياة المختصّة بالحيوان، وهو أخصّ من الحياة، لأنّ الحياة تقال في الحيوان، وفي الباري تعالىٰ، وفي الملک، ويشتقّ منه المَعِيشَةُ لما يُتَعَيَّشُ منه"

"ع ی ش: العیش خاص کر اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوان میں پائی جاتی ہے اور یہ لفظ الحیاۃ سے اض ہے کیونکہ الحیاۃ کا لفظ حیوان باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور العیش سے لفظ المعیشۃ ہے جس کے معنی ہیں سامان زیست کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن زندگی بسر کی جاتی ہے۔"

اسلامی معیشت اور قرآن حکیم:

ذیل میں معیشت کے حوالے سے چند آیتیں ملاحظہ فرمایئں۔

"وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ"[۶]

"اور البتہ تحقیق ہم نے قدرت دی تم کو زمین میں اور بنائی ہم نے تمہارے لیے زمین میں روزی بہت کم تم شکریہ ادا کرتے ہو۔"

اور بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لئے اس (زمین) میں سامان زندگی پیدا کیا (جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ تم اس کے شکریہ میں فرمانبردار و اطاعت شعار ہوتے، لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (مراد اس سے اطاعت ہے اور کم اس لئے فرمایا کہ تھوڑا بہت نیک کام تو اکثر لوگ کر ہی لیتے ہیں، لیکن بوجہ ایمان نے ہونے کے وہ قابل اعتبار نہیں۔

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى"

"اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی اور لائیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔"

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ"، یہاں ذکر سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارک بھی جیسا کہ دوسری آیات میں ذکراً رسولاً آیا ہے دونوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص قرآن سے یا رسول سے اعراض کرے یعنی قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل سے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت سے اعراض کرے اس کا انجام یہ ہے کہ "فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى" یعنی اس کی معیشت تنگ ہوگی اور قیامت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ پہلا عذاب دنیا ہی میں اس کو مل جائے گا اور دوسرا یعنی اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا۔

کافر اور بدکار کی زندگی دنیا میں تلخ اور تنگ ہونے کی حقیقت:

سوال ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار و فجار کے لئے مخصوص نہیں، مؤمنین صالحین کو بھی پیش آتی ہے بلکہ انبیاء (علیہم السلام) کو سب سے زیادہ شدائد و مصائب اس دنیا کی زندگی میں اٹھانے پڑتے ہیں۔ صحیح بخاری اور تمام کتب حدیث میں روایت سعد وغیرہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے اسی کی مناسبت سے اس کو یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ اس کے بالمقابل عموماً کفار و فجار کو خوشحال اور عیش و عشرت میں دیکھا جاتا ہے تو پھر یہ ارشاد قرآنی کہ ان کی معیشت تنگ ہوگی آخرت کے لئے تو ہو سکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کا صاف بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے کہ قبر میں ان کی معیشت تنگ کر دی جاوے گی۔ خود قبر جو ان کا مسکن ہوگا وہ ان کو ایسا دبائے گا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسند بزار میں بسند جید حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود اس آیت کے لفظ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔

حضرت سعید بن جبیر نے تنگی معیشت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان سے قناعت کا وصف سلب کر لیا جاوے گا اور حرص دنیا بڑھا دی جاوے گی (مظہری) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے پاس کتنا ہی مال و دولت جمع ہو جائے کبھی قلبی سکون اس کو نصیب نہیں ہوگا ہمیشہ مال بڑھانے کی فکر اور اس میں نقصان کا خطرہ اس کو بے چین رکھے گا۔ اور یہ بات عام اہل تمول میں مشاہد و معروف ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس سامان راحت تو بہت جمع ہو جاتا ہے مگر جس کا نام راحت ہے وہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ قلب کے سکون و اطمینان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

"اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ"

"کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کی زندگانی میں اور بلند کر دیئے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خدمت گار اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے ان

چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی با اختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے؟ اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔[9] باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں طلب ورسد کا نظام کہا جاتا ہے۔ طلب ورسد کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی ہے لہٰذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں زیادہ نفع دیکھ کر اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور ایسے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔

اسلام نے طلب ورسد کی انہی قدرتی قوتوں کے ذریعہ دولت کی پیدائش اور تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ترقی یافتہ طریقے دریافت کر لئے جائیں لیکن ان کے ذریعہ معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل عموماً ایسے ہی قدرتی نظام کے تابع چلتے ہیں۔[10] زندگی کے بیشتر معاشرتی مسائل اسی طرح قدرتی طور پر خود بخود طے پاتے ہیں، اور انہیں حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بند پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کے لئے ہے اور رات کا سونے کے لئے کسی معاہدہ عمرانی یا انسانی منصوبہ بندی کے تحت طے نہیں پائی، بلکہ قدرت کے خودکار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کر دیا ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے تحت خود بخود انجام پاتا ہے اور اسے منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔

یا مثلاً یہ بات کہ کون شخص علم وفن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے، اسے طبعی ذوق اور مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا ہے جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہت طریقے سے انجام دے سکتا ہے چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے[11] (آیت) کل حزب بما لدیھم فرحون، البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کر دے، بلکہ ذرائع آمدنی میں حلال وحرام کی تفریق کر کے سود، سٹہ، قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دے دیا ہے پھر جائز آمدنی پر بھی زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے واجبات عائد کر کے ان خرابیوں کا انسداد کر دیا ہے جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں پائی جاتی ہیں اس کے باوجود بھی اگر کبھی اجارہ داریاں قائم ہو جائیں تو ان کو توڑنے کے لئے حکومت کی مداخلت کو جائز رکھا ہے۔[12]

"وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ"[13]

"اور کتنی غارت کر دیں ہم نے بستیاں جو اترا چلی تھیں اپنی گزران میں اب یہ ہیں ان کے گھر آباد نہیں ہوئے ان کے پیچھے مگر تھوڑے اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے۔"

"وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا"، جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دنیا کی دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ ان کے کفر و شرک کے وبال سے کس طرح ان کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر و شرک ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ تم کیسے بیخبر بیوقوف ہو کہ کفر و شرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔ "لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا" یعنی پچھلی قوموں کی جن بستیوں کو عذاب الٰہی سے برباد کیا گیا تھا اب تک بھی ان میں آبادی نہیں ہوئی بجز قدر قلیل کے۔ اس قدر قلیل سے مراد اگر مساکن اور مقامات قلیلہ لئے جاویں جیسا کہ زجاج کا قول ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان تباہ شدہ بستیوں میں کوئی مقام اور کوئی مکان پھر آباد نہیں ہو سکا بجز عدد قلیل کے کہ وہ آباد ہوئے مگر حضرت ابن عباس سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ قدر قلیل سے مقامات اور مکانات قلیلہ کا استثناء نہیں بلکہ زمان سکونت کا استثناء مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان بستیوں میں کوئی رہتا بھی ہے تو بہت تھوڑی دیر کے لئے جیسے کوئی راہ گیر مسافر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جائے جس کو بستیوں کی آبادی نہیں کہا جا سکتا۔

"وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا"[14]

"اور بنایا دن کمائی کرنے کو"

ارشاد فرمایا، "وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا" کہ انسان کی راحت و سکون کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو غذا وغیرہ کی ضروریات ملیں ورنہ وہ نیند موت ہو جائے گی۔ اگر ہمہ وقت رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو یہ چیزیں کیسے حاصل ہوتیں، ان کے لئے جد و جہد اور محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے جو روشنی میں ہو سکتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تمہاری راحت کو مکمل کرنے کے لئے ہم نے صرف رات اور اس کی تاریکی ہی نہیں بنائی بلکہ ایک روشن دن بھی دیا جس میں تم کاروبار کر کے اپنی معاشی ضروریات حاصل کر سکو، (آیت) فتبارک اللہ احسن الخالقین، اس کے بعد انسان کی راحت کے اس سامان کا ذکر ہے جو آسمان سے متعلق ہیں ان میں سب سے بڑی نفع بخش چیز آفتاب کی روشنی ہے اس کا ذکر فرمایا "وجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا" یعنی ہم نے آفتاب کو ایک روشن بھڑکنے والا چراغ بنا دیا، پھر آسمان کے نیچے جو چیزیں انسان کی راحت کے لئے پیدا فرمائیں ان میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی برسانے والے بادل ہیں ان کا ذکر فرمایا۔

اسلام کا تصور معیشت:

اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی بااختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے؟ اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔[15]

باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں طلب و رسد کا نظام کہا جاتا ہے۔ طلب و رسد کا قدرتی قانون یہ

ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی ہے لہٰذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں زیادہ نفع دیکھ کر اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور ایسے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔ ذیل میں اسلامی معیشت کے بنیادی تصورات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا تصور:

نظام معیشت میں اللہ تعالیٰ نے یہی رعایت رکھی ہے کہ ہر شخص کو اتنے حقوق دیئے جائیں جتنے فرائض کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے اور ظاہر ہے کہ فرائض میں یکسانیت کا پیدا ہونا بالکل ناممکن اور ان میں تفاوت ناگزیر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کے معاشی وظائف وفرائض دوسروں سے بالکل مساوی ہوں۔ اس لیے معاشی وظائف وفرائض انسانوں کی فطری صلاحیتوں پر موقوف ہیں جن میں جسمانی طاقت، صحت، دماغی قویٰ اور عمر، ذہنی معیار، چستی اور پھرتی جیسی چیزیں داخل ہیں اور یہ بات ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے کہ ان اوصاف کے اعتبار سے انسانوں میں یکسانیت اور مساوات پیدا کرنا بڑی سے بڑی ترقی یافتہ اشتراکی حکومت کے بس میں بھی نہیں، جب انسانوں کی صلاحیتوں میں تفاوت ناگزیر ہے تو ان کے فرائض میں بھی لازماً تفاوت ہوگا اور معاشی حقوق چونکہ انہی فرائض پر موقوف ہیں۔ اس لیے معاشی حقوق یعنی آمدنی میں بھی تفاوت ناگزیر ہے کیوں کہ اگر سب کی آمدنی بالکل مساوی کر دی جائے اور فرائض میں تفاوت رہے تو اس سے کبھی عدل وانصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس صورت میں بعض لوگوں کی آمدنی ان کے فرائض سے زیادہ اور بعض کی ان کے فرائض سے کم ہو جائے گی جو صریح ناانصافی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آمدنی میں مکمل مساوات کسی بھی دور میں قرین انصاف نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اشتراکیت اپنی ترقی کے انتہائی دور (مکمل کمیونزم) میں بھی جس مساوات کا دعویٰ کرتی ہے وہ کسی بھی حال میں نہ قابل عمل ہے اور نہ قرین عدل وانصاف[16]۔

یہ صحیح ہے کہ معاشیات کا علم مادی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل اور تسکین سے بحث کرتا ہے۔ لیکن معاشیات بذات خود مقصد نہیں بلکہ مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے کیوں کہ خالق انس وجن نے اپنی حکمت سے انسان کو روح اور جسم کا مرکب بنایا ہے اور یہ صرف انسانوں ہی کا معاملہ نہیں بلکہ نباتات اور حیوانات بھی انہیں دو چیزوں سے مرکب ہیں۔ انسان کے جسمانی وجود کے کچھ تقاضے اور مطالبے ہیں جن کی تکمیل کیے بغیر اس کی زندگی برقرار نہیں رہ سکتی چنانچہ ان تقاضوں کو پورا کرنا ایک ناگزیر ضرورت ہے جس سے مفر نہیں ہے لیکن ان جسمان تقاضوں کی تکمیل اسکا مقصدِ وجود کبھی نہیں بن سکتی جس کے لیے وہ اپنی ساری ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں صرف کر دے اور جس کی طرف تمدن کی گاڑی کا رُخ موڑ دے۔ اسلام کے سایہ میں ایک مسلم کی معاشی زندگی کا یہ پہلا تصور ہے[17]۔

دوسرا تصور:

اس کا دوسرا تصور توحید خالص کے عقیدے سے متعلق ہے۔ ہم مسلمان خالص اور بے لاگ توحید کے ماننے والے ہیں۔ ہم اپنے عقیدۂ توحید میں شرک کے ذرہ برابر بھی شائبے کو برداشت نہیں کر سکتے اور ہر وہ مقصد یا طریق کار جو توحید خالص کو داغدار کرنے والا ہو وہ صحیح اسلامی عقیدے سے متصادم بلکہ اس کی بنیاد ہی کو تباہ کر دے گا۔ چنانچہ صرف دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں یا تو خالص اسلام یا شرکِ مطلق۔ آدمی کو اختیار ہے چاہے اس کو اپنائے یا اُسے اس کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں

ہو سکتا۔ اگر کسی مرحلے میں مادیت کا طاغوت عقیدۂ اسلامی یا اسلام کے اعلیٰ اقدار پر حاوی ہو جائے اور مادہ ایک نئے معبود کی شکل اختیار کر لے اور وہی تمام حاجات وضروریات کا مرجع بن جائے اور انسان بلندیٔ وکمال کے حصول کے لیے اسی کا سہارا لینے لگے اور اسے ربوبیت اور تقدیس کی تمام صفات سے متصف کر دے۔ تو بلاشبہ یہ ایک ایسا شرک ہے جو عقیدہ اسلامی کے سراسر منافی اور ضد ہے کیوں کہ وہ تمام وسائل وذرائع جو غیر اللہ کی تعظیم اور تقدیس کا شائبہ بھی اپنے اندر رکھتے ہوں وہ اسلامی اقدار اور مقاصد کے حصول میں کبھی بھی موید اور معاون نہیں بن سکتے بلکہ یہ دراصل وہ راستے اور طریقے ہیں جو مسافروں کو سمت مخالف میں لے جانے والے ہیں۔ یہ وہ راستے ہیں جو اسلام کی منزل سے دور کرنے والے ہیں اور جن کی اپنی بھی کوئی منزل نہیں ہے[18]۔

تیسرا تصور:

اسلامی معیشت کا تیسرا تصور یہ ہے کہ زندگی کے تمام گوشوں میں اسلامی نظام کا نفاذ ہو کیوں کہ معاش انسانی زندگی کا ایک جزو ہے جس کے بہت سے پہلو ہیں اور اسلامی ایک مکمل نظام حیات ہے۔ جب وہ اپنے نظام معیشت کی بنیاد رکھتا ہے تو اس کے لیے دوسری اسلامی بنیادوں کا قیام اور وجود لازمی شرط قرار دیتا ہے چنانچہ اسلام کا مطالبہ ہے کہ اگر کسی سماج میں اسلامی نظام معیشت کی بنیاد رکھی جائے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے قانونی اجتماعی ومعاشرتی اور سیاسی بنیادوں کو بھی اسلام سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ان سب کے بغیر اسلامی نظام معیشت اپنے فرائض کی انجام دہی میں کمزور اور ناقص ثابت ہوگا بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اس نظام کو غیر اسلامی سماج میں یا اسلامی اقدار وعقائد کے دائرے سے باہر نافذ کرنے بے کار اور عبث ہوگا۔ اس لحاظ سے اسلامی نظام معیشت دوسرے نظاموں کے مقابلے میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک ایسے عقیدے کا جزء ہے جس کے نہ تو ٹکڑے کیے جا سکتے ہیں اور نہ جس میں کسی نئی چیز کی آمیزش کی جا سکتی ہے اور جو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ انسان اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے بلکہ وہ ایک ایسا معاشی نظام ہے جو سب سے پہلے انسان کی تربیت کرتا ہے اور اس کو حیوانیت کی پستی سے نکال کر اونچے مرتبے پر فائز کرتا اور اس کا رشتہ اس کے خالق سے استوار کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مادہ پرست انسان کو قارون کی دولت بھی مل جائے۔ پھر بھی اس کی رسائی اس اعلیٰ مقام تک نہیں ہو سکتی[19]۔

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے اور اسی کی پیروی نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ دوسرے کسی طریقے کی لیے عقل، علم اور کتبِ آسمانی میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی بندگی صرف ایک محدود مذہبی دائرے ہی میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمدّن، معاشرت، معیشت، سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور انسان کسی چیز پر بھی اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختارانہ تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلہ میں جاہلیّت کا نظریہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو طریقہ بھی چلا آ رہا ہو انسان کو اسی کی پیروی کرنی چاہیے اور اس کی پیروی کے لیے اس دلیل کے سوا کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔ نیز یہ کہ دین ومذہب کا تعلق صرف پوجا پاٹ سے ہے، رہے ہماری زندگی کے عام دنیوی معاملات، تو ان میں ہم کو پوری آزادی ہونی چاہیے کہ جس طرح چاہیں کام کریں۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زندگی کو مذہبی اور دنیوی دائروں میں الگ الگ تقسیم کرنے کا تخیل آج کوئی نیا تخیل نہیں ہے بلکہ آج سے تین ساڑھے تین ہزار برس پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو بھی اس تقسیم پر ویسا ہی اصرار تھا جیسا آج اہلِ مغرب اور اُن کے مشرقی شاگردوں کو ہے۔ یہ فی الحقیقت کوئی نئی

''روشنی'' نہیں ہے جو انسان کو آج ''ذہنی ارتقاء'' کی بدولت نصیب ہو گئی ہو۔ بلکہ یہ وہی پرانی تاریک خیالی ہے جو ہزارہا برس پہلے کی جاہلیّت میں بھی اِسی شان سے پائی جاتی تھی۔ اور اس کے خلاف اسلام کی کش مکش بھی آج کی نہیں ہے، بہت قدیم ہے[20]

اسلام میں معیشت کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو معایش (اسباب زیست) بنائے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے کہ بعض معایش کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ مثلاً دریاؤں میں پانی پیدا کیا، آسمان سے بارش نازل فرمائی، پھلوں اور غلوں کو اگایا، حلال جانور پیدا کیے اور بعض اسباب زیست وہ ہیں جن کو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اپنے اکتساب کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے انسان تجارت اور محنت مزدوری کرکے رزق حاصل کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان زمین میں بستے ہیں اور اس میں تصرف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم و دانش اور قوت و توانائی سے ہر دور میں انسان کی فوز و فلاح، اس کی بہتری، سہولت اور مصلحت کے لیے نت نئے ذرائع اور وسائل تلاش کر رہے ہیں۔ پہلے انسان پتوں سے بدن ڈھانپتا تھا، پھر سوت اور ریشم کے لباس کا دور آیا اور اب انسان پٹرولیم سے بھی لباس بنانے لگا ہے۔ پہلے لکڑی اور کوئل سے آگ حاصل کرتا تھا، پھر قدرت گیس کا دور آیا۔ برقی توانائی کے بعد ایٹمی توانائی کا دور آیا۔ پہلے بری سفر، خچروں اور گھوڑوں سے اور بحری سفر بادبانی کشتیوں سے کیا جاتا تھا۔ پھر موٹر کاروں ریل گاڑیوں اور دخانی جہازوں کا دور آیا اور اب ہوائی جہازوں، ہیلی کاپٹروں اور راکٹوں کا دور ہے۔ بہت سی بیماریوں کا پہلے پتا نہ تھا لوگ ان میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے۔ اب ان بیماریوں اور ان کے علاج کا پتا چلالیا گیا ہے۔ مثلاً ذیابیطس ہے، ہائی بلڈ پریشر ہے، دل اور دماغ کے پیچیدہ امراض ہیں۔ فالج ہے، دماغ کی رگ کا پھٹ جانا ہے۔ سرجری کا طریقہ ایجاد ہوا اور طب کی دنیا میں بہت سے لانیحل مسئلے حل ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب زیست اور ان سے فائدہ اٹھانے والی قوتوں کو انسان کی بہتری اور اس کی مصلحت کے لیے بنایا ہے اور یہ مادی فوائد اس لیے عطا کیے ہیں کہ ان کی مدد سے انسان روحانی حیات میں تزکیہ اور جلاء کو حاصل کرے اور اپنے باطن کو پاک اور صاف کرکے اپنے آپ کو اخروی نعمتوں کا اہل بنائے۔ سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کے نتیجے میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے۔

اسلامی معیشت کے اہداف و مقاصد اور چند رہنما اصول:

اسلام نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کے درمیان جو متوسط معاشی نظریہ اختیار کیا ہے اس پر ایک عملی نظام کی عمارت اُٹھانے کے لیے وہ اخلاق اور قانون دونوں سے مدد لیتا ہے۔ اپنی اخلاقی تعلیم سے وہ جماعت اور اس کے ہر ہر فرد کی ذہنیت کو اپنے نظام کی رضاکارانہ اطاعت کے لیے تیار کرتا ہے اور اپنے قانون کی طاقت سے وہ ان پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جو انہیں اس نظام کی بندش میں رہنے پر مجبور کریں اور اس کے حدود سے نکلنے نہ دیں۔ یہ اخلاقی اُصول اور قانونی احکام اس نظم معیشت کے اہداف و مقاصد اور رہنما اصول ہیں ہیں اور اس کے مزاج کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان پر ایک تفصیلی نظر ڈالیں:

غربت اور بیروزگاری کا خاتمہ:

اسلامی معیشت کا سب سے بڑا ہدف معاشرہ اور قوم سے غربت اور بیروزگاری کو ختم کرنا ہے جب بھی معاشرے میں معشت مستحکم ہو اور ہر فرد کما رہا ہو تو معاشرے میں غربت اور بیروزگاری نہیں ہوگی۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں امن اور سکون کی فضا قائم ہوگا۔ جو حقیقت میں اسلام کی تشریح اور تفصیل ہے ورنہ اور اگر معاشرے میں غربت اور بیروزگاری ہو تو جرائم

کا انبار ہوگا۔

اکتساب مال کے ذرائع میں جائز اور ناجائز کی تفریق:

اسلام اپنے پیروؤں کو دولت کمانے کا عام لائسنس نہیں دیتا بلکہ کمائی کے طریقوں میں اجتماعی مفاد کے لحاظ سے جائز اور ناجائز کا امتیاز قائم کرتا ہے۔ یہ امتیاز اس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت حاصل کرنے کے تمام وہ طریقے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص یا اشخاص کے نقصان پر مبنی ہو اور ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد کا مبادلہ اشخاص متعلقہ کے درمیان منصفانہ طور پر ہو۔

قرآن مجید میں اس قاعدہ کلیہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا"[21]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو بجز اس کے کہ تجارت ہو آپس کی رضامندی سے۔ اور تم خود اپنے آپ کو (یا آپس میں ایک دوسرے کو) ہلاک نہ کرو، اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے۔ جو کوئی اپنی حد سے تجاوز کرکے ظلم کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم آگ میں جھونک دیں گے۔"

اس آیت میں تجارت سے مراد اشیاء اور خدمات کا تبادلہ بالعوض آپس کی رضامندی کے ساتھ اسے مشروط کرکے تبادلے کی ان تمام صورتوں کو ناجائز کر دیا گیا ہے جن میں کسی نوعیت کا دباؤ شامل ہو، یا کوئی دھوکا یا ایسی چال ہو جو اگر دوسرے فریق کے علم میں آجائے تو وہ اس پر راضی نہ ہو۔ پھر مزید تاکید کے لیے فرمایا گیا ہے "لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ"[22] اس کے دو مفہوم ہیں اور دونوں ہی یہاں مراد ہیں: ایک یہ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو۔ دوسرا یہ کہ تم خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے فائدے کے لیے دوسرے کا نقصان کرتا ہے وہ گویا اس کا خون پیتا ہے اور مآل کار میں خود اپنی تباہی کا راستہ کھولتا ہے۔

جس طرح باطل طریقہ سے غیر کا مال کھانا جائز نہیں، خود اپنا مال بھی باطل طریق سے خرچ کرنا جائز نہیں:

آیت کے الفاظ میں "اموالکم بینکم" کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی ہیں "اپنے مال آپس میں" اس میں یہ بات تو باتفاق مفسرین داخل ہے ہی کہ کوئی شخص دوسرے کا مال ناجائز طریق پر نہ کھائے، ابو حیان نے تفسیر بحر محیط میں فرمایا کہ اس کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی اپنا ہی مال ناجائز طور پر کھائے، مثلاً ایسے کاموں میں خرچ کرے جو شرعاً گناہ یا اسراف بے جا ہیں، وہ بھی آیت کی رو سے ممنوع و ناجائز ہے۔[23] آیت میں "لا تاکلوا" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں "مت کھاؤ۔" مگر عام محاورے کے اعتبار سے اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے مال میں ناحق طور پر کسی قسم کا تصرف نہ کرو، خواہ کھانے پینے کا ہو یا اسے استعمال کرنے کا، عرف عام میں کسی کے مال میں تصرف کرنے کو اس کا کھانا ہی بولا جاتا ہے، اگرچہ وہ چیز کھانے کی نہ ہو، لفظ "باطل" جس کا ترجمہ "ناحق" سے کیا گیا ہے عبداللہ بن مسعود اور جمہور صحابہ کے نزدیک تمام ان صورتوں پر حاوی ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، جس میں چوری، ڈاکہ، غضب، خیانت، رشوت، سود و قمار اور تمام معاملات فاسدہ داخل ہیں۔

پاکیزہ کمائی کی خاص شرائط:

حضرت معاذ بن جبل (رض) سے روایت ہے کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سب سے زیادہ پاک کمائی تاجروں کی کمائی ہے، بشرطیکہ وہ جب بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں، اور جب وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں اور جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں اور جب کوئی سامان (کسی سے) خریدیں تو (تاجروں کی عادت کے مطابق) اس سامان کو برا اور خراب نہ بتائیں اور جب اپنا سامان فروخت کریں تو (واقعہ کے خلاف) اس کی تعریف نہ کریں اور جب ان کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو ٹالیں نہیں اور جب ان کا قرض کسی کے ذمہ ہو تو اس کو تنگ نہ کریں۔ "قیامت کے روز تاجر لوگ فاجروں، گنہگاروں کی صف میں ہوں گے بجز اس شخص کے جو اللہ سے ڈرے اور نیکی کا معاملہ کرے اور سچ بولے۔"

اسلامی نظام معیشت پر اعتراض کا جواب:

کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی (Earned Income) کے سوا کسی چیز کا جائز مالک نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ بات قرآن مجید ہی کے دیے ہوئے متعدد قوانین اور احکام سے ٹکراتی ہے۔ مثلاً قانون وراثت، جس کی رو سے ایک شخص کے ترکے میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں اور اس کے جائز وارث قرار پاتے ہیں درآں حال یہ کہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی، بلکہ ایک شیر خوار بچے کے متعلق تو کسی کھینچ تان سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں اس کی محنت کا بھی کوئی حصہ تھا۔ اسی طرح احکام زکوٰۃ و صدقات، جن کی رو سے ایک آدمی کا مال دوسروں کو محض ان کے شرعی و اخلاقی استحقاق کی بنا پر ملتا ہے اور وہ اس کے جائز مالک ہوتے ہیں، حالانکہ اس مال کے پیدا کرنے میں ان کی محنت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن کی کسی ایک آیت کو لے کر اس سے ایسے نتائج نکالنا جو خود قرآن ہی کی دوسری تعلیمات سے متصادم ہوتے ہوں، قرآن کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔[24]

مال جمع کرنے کی ممانعت:

دوسرا اہم حکم یہ ہے کہ جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو جمع نہ کیا جائے کیوں کہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے اور تقسیم دولت میں توازن برقرار نہیں رہتا۔ دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرنے والا، صرف خود بدترین اخلاقی امراض میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ درحقیقت وہ پوری جماعت کے خلاف ایک شدید جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا نتیجہ آخر کار خود اس کے اپنے لیے بھی برا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے۔ وہ کہتا ہے:

"وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ"[25]

"جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ فعل ان کے لیے اچھا ہے، بلکہ درحقیقت یہ ان کے لیے برا ہے۔"

"وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ"[26]

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خبر دے دو۔"

یہ چیز سرمایہ داری کی بنیاد پر ضرب لگاتی ہے۔ بچت کو جمع کرنا اور جمع شدہ دولت کو مزید دولت پیدا کرنے میں لگانا، یہی دراصل سرمایہ داری کی جڑ ہے۔ مگر اسلام سرے سے اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی اپنی ضرورت سے زائد دولت کو جمع کرکے

رکھے [27]۔

خرچ کرنے کا حکم:

جمع کرنے کے بجائے اسلام خرچ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر خرچ کرنے سے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ عیش وآرام اور گلچھرے اڑانے میں دولت لٹائیں۔ بلکہ وہ خرچ کرنے کا حکم فی سبیل اللہ کی قید کے ساتھ دیتا ہے، یعنی آپ کے پاس اپنی ضروریات سے جو کچھ بچ جائے اس کو جماعت کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دیں کہ یہی سبیل اللہ ہے:

"وَيَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ"[28]

"اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہو! کہ جو ضرورت سے بچ رہے۔"

"وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ"[29]

"اور احسان کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں اور نادار مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں دوستوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ۔"

"وَفِی اَمْوَالِهٖ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"[30]

"اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے۔"

یہاں پہنچ کر اسلام کا نقطہ نظر سرمایہ داری کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤں گا اور جمع کرنے سے مال دار بنوں گا۔ اسلام کہتا ہے کہ خرچ کرنے سے برکت ہوگی۔ تیری دولت گھٹے گی نہیں بلکہ اور بڑھے گی۔

"اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا"[31]

"شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور بخل جیسی شرمناک بات کا حکم دیتا ہے مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے۔"

سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ جو کچھ کر دیا وہ کھو گیا۔ اسلام کہتا ہے کہ نہیں، وہ کھویا نہیں بلکہ اس سے بہتر فائدہ تمہاری طرف پلٹ کر آئے گا۔

"وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ"[32]

"اور تم نیک کاموں میں جو خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا واپس ملے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔"

"وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِنْ فَضْلِه"[33]

"اور جن لوگوں نے ہمارے بخشے ہوئے رزق میں سے کھلے اور چھپے طریقہ سے خرچ کیا وہ ایک ایسی تجارت کی اُمید رکھتے ہیں جس میں گھاٹا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ ان کے بدلے ان کو پورے پورے اجر دے گا بلکہ اپنے فضل سے

کچھ زیادہ عنایت کرے گا۔"

سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ دولت کو جمع کرکے اس کو سود پر چلانے سے دولت بڑھتی ہے۔اسلام کہتا ہے کہ نہیں، سود سے دولت گھٹ جاتی ہے۔ دولت بڑھانے کا ذریعہ نیک کاموں میں اسے خرچ کرنا ہے۔

"یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ"[34]

"اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے"

"وَمَا اٰتَیْتُمْ مِنْ رِّبًا لِیَرْبُوَا فِی اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وَمَا اٰتَیْتُمْ مِنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ"[35]

"اور یہ جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا۔بڑھوتری تو ان اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ کے لیے زکوۃ میں دیتے ہو۔"

یہ ایک نظریہ ہے جو سرمایہ داری کے نظریہ کا بالکل ضد ہے۔خرچ کرنے سے دولت کا بڑھنا اور خرچ کیے ہوئے مال کا ضائع نہ ہونا بلکہ اس کا پورا بدل کچھ زائد فائدے کے ساتھ واپس آنا، سود سے دولت میں اضافہ ہونے کے بجائے اُلٹا گھاٹا ہونا، زکوۃ وصدقات سے دولت میں کمی واقع ہونے کے بجائے اضافہ ہونا، یہ ایسے نظریات ہیں جو بظاہر عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ سننے والا سمجھتا ہے کہ شاید ان سب باتوں کا تعلق محض ثواب آخرت سے ہوگا۔اس میں شک نہیں کہ ان باتوں کا تعلق ثواب آخرت سے بھی ہے اور اسلام کی نگاہ میں اصلی اہمیت اسی کی ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس دنیا میں بھی معاشی حیثیت سے یہ نظریات ایک نہایت مضبوط بنیاد پر قائم ہیں۔

دولت کو جمع کرنے اور اس کو سود پر چلانے کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پاس اکھٹی ہو جائے۔ جمہور کی قوت خرید روز بروز گھٹتی چلی جائے۔ صنعت اور تجارت اور زراعت میں کساد بازاری رونما ہو، قوم کی معاشی زندگی تباہی کے سرے پر جا پہنچے اور آخرکار خود سرمایہ دارانہ افراد کے لیے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کاموں میں لگانے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔بخلاف اس کے خرچ کرنے اور زکوۃ وصدقات دینے کا مآل یہ ہے کہ قوم کے تمام افراد تک دولت پھیل جائے، ہر ہر شخص کو کافی قوت خرید حاصل ہو، صنعتیں پرورش پائیں، کھیتیاں سرسبز ہوں، تجارت کو خوب فروغ ہو اور چاہے کوئی لکھ پتی اور کروڑ پتی نہ ہو، مگر سب خوشحال و فارغ البال ہوں۔

اس مآل اندیشانہ معاشی نظریہ کی صداقت اگر دیکھنی ہو تو امریکہ کے موجودہ معاشی حالات (۱۹۳۶ء) کو دیکھے جہاں سود ہی کی وجہ سے تقسیم ثروت کا توازن بگڑ گیا ہے اور صنعت و تجارت کی کساد بازاری نے قوم کی معاشی زندگی کو تباہی کے سرے پر پہنچا دیا ہے۔اس کے مقابلہ میں ابتدائے عہد اسلامی کی حالت کو دیکھیے کہ جب اس معاشی نظریہ کو پوری شان کے ساتھ عملی جامہ پہنایا گیا تو چند سال کے اندر قوم کی خوش حالی اس مرتبہ کو پہنچ گئی کہ لوگ زکوۃ کے مستحقین کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جو خود صاحب نصاب نہ ہو۔ان دونوں حالتوں کا موازنہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کس طرح سود کا مٹھ مارتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے۔

نتائج البحث

دورانِ تحقیق درجہ ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

۱۔اسلامی معاشی نظام کی اساس دراصل قرآنی تعلیمات ہیں اور معاشی تعلیمات کا گہرا ادراک قرآن فہمی کے بغیر ممکن نہیں۔

۲۔اسلام ایک مسلمان ہونے کے ناطے کبھی کسی قسم کے حرام یا مشتبہ مال کے کھانے کا اجازت نہیں دیتا۔

۳۔قرآن کریم کی تفاسیر ہر زمانے میں لکھی جاتی رہی ہیں قدیم تفاسیر میں بھی اسلامی معیشت سے متعلقہ ابحاث ملتی ہیں، لیکن عصرِ حاضر میں چند ایسے پہلو سامنے آتے ہیں جن میں قدیم تفاسیر میں وہ مباحث نہیں ملتیں۔

۴۔قدیم وجدید تفاسیر میں معیشت کے مسائل کے ذکر ہونے میں ایک بنیادی فرق یہ ہے عصرِ حاضر میں جب دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے قرآن کریم کی تفسیر میں اسلامی معاشی نظام کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ دیگر نظامہائے معیشت کی خامیاں اور ان کے نقصانات کا بیان بھی ملتا ہے جبکہ قدیم تفاسیر میں صرف اسلامی معاشی نظام کی ابحاث ملتی ہیں۔

۵۔عصرِ حاضر میں مفسرینِ قرآن کو یہ چیلنج درپیش ہوتے ہیں کہ وہ اسلامی معاشی نظام کے ساتھ سودی نظامِ معیشت، غربت، بے روزگاری، افراطِ زر، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور تجارت کے عدمِ توازن کو بھی بیان کریں اور جدید دور کی معاشی خرابیوں کو واشگاف کریں۔

۶۔عصرِ حاضر کی تفاسیر میں جدید معاشی نظام پر بحث کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مفسرین کرام کی دیگر نظامہائے معیشت پر گہری نظر ہو۔

خلاصہ بحث:

اس تحقیقی آرٹیکل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے جس میں عبادات، معاملات اور اخلاقیات وغیرہ کے علاوہ زندگی کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لیے اصول و قواعد موجود ہیں اور یہ یقیناً زندگی کے تمام پہلوؤں کا کما حقہ احاطہ کرتا ہے۔ اسی بناپر اسلام میں معاملات و معاشیات کا ایک معتدل، جامع اور انسانیت کے دینوی و اُخروی فوائد پر مشتمل ایک نظام موجود ہے۔اسلام رہبانیت یعنی ترکِ دنیا کا مخالف ہے اور انسان کی معاشی سرگرمیوں کو جائز بلکہ بعض اوقات ضروری قرار دیتا ہے اور کسبِ حلال اس کی نظر میں ایک انتہائی اہم فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور پاکستان، سن اشاعت: ۱۹۴۹ء، ۲: ۶۱۲

Abu al A'lā Modūdī, *Tafhīm al Qur'ān*, (Lahore: Idara Tarjumān al Qur'ān, 1949), 2: 612

[2] طاہر پٹنی، مجمع بحار الانوار، دار الایمان، مدینہ منورہ، ۱۴۱۵ ھ، ۳: ۷۱۹

Ṭāhir Patanī, *Majma' Biḥār al Anwār*, (Madina: Dār al Īimān, 1415), 3: 719

[3] سورۃ الاعراف، ۴

Sūrah al A'rāf, 4

[4] سورۃ الاعراف، ۶

Sūrah al A'rāf, 6

[5] سورۃ الاعراف، ۸

Sūrah al A’rāf, 8

[6] سورۃ الاعراف، ۱۰

Sūrah al A’rāf, 10

[7] سورۃ طہٰ، ۱۲۴

Sūrah Ṭāha, 124

[8] سورۃ الزخرف، ۳۲

Sūrah al Zukhruf, 32

[9] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، مارچ ۲۰۰۱ء، ۷ : ۷۳۱

Muftī Muḥammad Shafī’, *Ma’ārif al Qur’ān*, (Karachi: Idarah al Ma’ārif, 2001), 7: 731

[10] مفتی محمد شفیع، اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۱۳

Muftī Muḥammad Shafī’, *Islāmī Niẓām me Ma’āshī Iṣlāḥāt*, (Karachi: Idarah al Ma’ārif, 1998), p: 113

[11] معارف القرآن، ۷ : ۷۳۱

Ma’ārif al Qur’ān, 7: 731

[12] ایضاً، ۷ : ۷۳۲

Ibid., 7: 732

[13] سورۃ القصص، ۵۸

Sūrah al Qaṣaṣ, 58

[14] سورۃ النبا، ۱۱

Sūrah al Nabā, 11

[15] معارف القرآن، ۷ : ۷۳۱

Ma’ārif al Qur’ān, 7: 731

[16] ایضاً، حوالہ بالا

Ibid.

[17] محمود ابوالسعود، اسلامی معیشت کے بنیادی اصول، مترجم: مزمل حسین فلاحی، ملائیشیا، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۱ - ۲۳

Maḥmūd Abū al Sa’ūd, *Islāmī Ma’īshat k Bunyādī Uṣūl*, (Malaysia: 1982), p: 21 - 23

[18] ایضا، ص: ۲۳

Ibid., p: 23

[19] اسلامی معیشت کے بنیادی اصول، ص: ۲۱ - ۲۳

Islāmī Ma’īshat k Bunyādī Uṣūl, 21 - 23

[20] تفہیم القرآن، ۴: ۵۳۶

Tafhīm al Qur’ān, 4: 536

[21] سورۃ النساء، ۲۹، ۳۰

Sūrah al Nisā’, 29, 30

[22] سورۃ النساء، ۲۹

Sūrah al Nisā’, 29

[23] معارف القرآن، ۲: ۳۷۹
Ma'ārif al Qur'ān, 2: 379

[24] تفہیم القرآن، ۵: ۲۱۵
Tafhīm al Qur'ān, 5: 215

[25] سورۃ آل عمران، ۱۸۰
Sūrah Āal 'Imrān, 180

[26] سورۃ التوبۃ، ۳۴
Sūrah al Tawbah, 34

[27] سید ابوالاعلیٰ مودودی، سود، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۶
Abu al A'lā Modūdī, *Sūd*, (Islamic Publications, 2000), p: 26

[28] سورۃ البقرۃ، ۲۱۹
Sūrah al Baqarah, 219

[29] سورۃ النساء، ۳۶
Sūrah al Nisā', 36

[30] سورۃ الذاریات، ۱۹
Sūrah al Zāriyāt, 19

[31] سورۃ البقرۃ، ۲۶۸
Sūrah al Baqarah, 268

[32] سورۃ البقرۃ، ۲۷۲
Sūrah al Baqarah, 272

[33] سورۃ فاطر، ۳۰
Sūrah Fātir, 30

[34] سورۃ البقرۃ، ۲۷۶
Sūrah al Baqarah, 276

[35] سورۃ الروم، ۳۹
Sūrah al Rūm, 39